عرف کے محالّ تاثیر

The areas effected by tradition

* محمد ظریف خان
** ڈاکٹر منظور احمد

Preface

Islam is a universal religion for all the people of all the times, therefore It needs to have some flexibility so that the people of different locality and different times may adjust themselves according to spirit of Islam.

For this purpose Islam has given considerable attention to the traditions of the people in solution of different problems. It allows all those traditions to be copied and acted which are according to the spirit of Islam and banned those which are contrasting to the Islamic rules. For

This purpose the rules for tradition to become a part of the Islamic jurisprudence is necessary to be known.In the following lines these rules will indicated and axplained.

……………………………………………………………………………………

* پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ایک خاص مقصد کے تحت کی، اس کے کچھ فرائض مقرر فرمائے تاکہ وہ بے لگام زندگی گزارنے کی بجائے اس خاص مقصد کو مد نظر رکھ زندگی گزارے۔ وہ خاص مقصد اپنے خالق کی رضا کا حصول ہے۔ اس سلسلے میں بندوں کو عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات میں خاص رہنما اصول بتائے کہ وہ ازندگی کے ہر شعبے میں ن اصولوں سے رہنمائی حاصل کریں۔ یہ اصول قرآن مجید میں اجمالی و تفصیلی طور پر موجود ہیں، جن اصولوں کی تفصیل و تفسیر ضروری ہے ان کی اضاحت احادیث مبارکہ کے ذریعے مناسب طریقے سے کی گئی، مزید وضاحت طلب گوشوں کی وضاحت فقہ اسلامی میں کی گئی۔ فقہی احکام کی تفصیل بیان کرنا ایک مشکل کام ہے اس لئے فقیہہ کے شرائط بھی مقرر کئے گئے اور ساتھ ساتھ فقہ کے مأخذ بھی بتائے گئے جن میں چار بنیادی ہیں اور ساتھ ساتھ کچھ ثانوی مأخذ بھی ہیں۔ بنیادی ماخذ میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شامل ہیں اور ثانوی ماخذ میں استحسان استصحاب، مصالح مرسلہ، ماقبل شریعتیں، عرف وغیرہ شامل ہیں۔

انسان ہمیشہ سے اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا خواہاں رہا ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئیں کچھ پابندیاں ہیں جن کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، بعض اوقات ان میں تعارض آجاتا ہے تو بعض اللہ کی رضا کی مندی کے لئے اپنے رب کے سامنے سر جھکا لیتا ہے جبکہ بعض اپنی مرضی کر لیتا ہے۔ اس فرق کو کم کرنے کا انتظام بھی شریعت نے کر دیا اور یہ اصول بنالیا کہ جو انسانی طور طریقے اور رواج شریعت کے اصولوں کے منافی نہ ہوں ان پر انسان کو عمل کرنے دیا جائے بلکہ ایسے رسومات کی حوصلہ افزائی کی تاکہ انسان کو تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ یہ رواج ور سومات کو عرف کہلاتی ہیں

عرف کی لغوی تحقیق: عرف کا مادہ "ع، ر، ف" ہے مختلف معاجم نے اس کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں،

ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں کہ العرف اور المعروف سخاوت کے معنی میں آتے ہیںاور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام ہے اُس چیز کا جو خرچ کیا جاتا ہے۔ العرف، العارفۃ اور المعروف منکر کی ضد ہے اور یہ وہ چیز ہے جسے نفس اچھا سمجھے اور اس پر اسے خوشی اور اطمینان حاصل ہو۔

ابن منظور لکھتے ہیں کہ عرف زمین کے بلندی والے حصہ کو یعنی سطح مرتفع کو کہتے ہیں. کہا جاتا ہے کہ اعراف الریاح والسحاب۔ یہاں اعراف سے مراد پہلے آنے والی اور بلندی پر موجود ہوا اور بادل کے ہیں۔[1]

القاموس المحیط میں لکھا ہے کہ **المعروف بالشیء الدال علیه**(کسی چیز کو پہچان لینا اس پر دلالت ہے) **وفلانْ سأله عن خبر لیعرف**(فلاں نے اسے جاننے کے لئے کسی خبر کے متعلق پوچھا)**وتعارفوا ای عرف بعضهم بعضا**۔[2]یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

لیکن تمام معاجم میں سب سے بہترین تعریف معجم مقاییس اللغۃ میں ابن فارس نے کی ہے۔اس کے مطابق عرف کا مادہ عَرَفَ(ع ر ف)ہے جو دو مصادر پر دلالت کرتا ہے،ان میں سے ایک "العرف" چیزوں کے اتباع یعنی یکے بعد دیگرے یا پے درپے واقع ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا سکون واطمینان پر دلالت کرتا ہے۔

العرف جو چیزوں کے اتباع اور پے درپے واقع ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کی مثالیں یہ ہیں:

عرف الفرس یہ گھوڑے کی گردن کے بال کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے گردن کے بال ایک دوسرے کے ساتھ پیوست،متصل اور یکے بعد دیگرے واقع ہوتے ہیں۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ جاء القطاع عرفا عرفا یعنی کونج پرندے ایک دوسرے کے پیچھے آئے۔

دوسرا یہ لفظ معرفت کے معنی یعنی پہچان اور معرفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ "عرف فلان فلاناً"یعنی فلاں نے فلاں کو پہچان لیا۔[3]

ان تمام لغات کے معانی دیکھنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عرف درج ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے؛

(۱)پے درپے واقع ہونا

(۲)سکون واطمینان

(۳)پہچان اور معرفت کے لئے استعمال ہوتا ہے

(۴)سخاوت کے معنی میں بھی

(۵)زمین کے بلند حصے یعنی سطح مرتفع کو کہتے ہیں جس کی جمع اعراف ہے۔

(۶)صبر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۷)خوشبو کے بھی آتے ہیں۔

عرف کی اصطلاحی تعریف:۔ عرف کی اصطلاحی تعریف مختلف فقہاء نے مختلف انداز سے کی ہے لیکن ان تعریفات کا محور بھی ایک ہی ہے کہ انسان کی ایسی اجتماعی عادات جو معاشرے میں عقل سلیم رکھنے والے ان کو اچھا سمجھیں اور لوگ اس پر عمل پیرا ہوں اور شریعت کے اصولوں کے خلاف نہ ہوں اسے عرف کہا جاتا ہے،مثلاً شیخ محمد ابو سنہ

نے عرف کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

وہوالامر الذی اطمأنت الیہ النفوس وعرفتہ و تحقق فی قرأتہا والفتہ،مستندۃ فی ذلک الیٰ استحسان العقل ولم ینکرہ اصحاب الذوق السلیمۃ فی الجماعۃ۔[4]

ترجمہ:عرف وہ امر ہے جس سے نفوس مطمئن ہو جائیں اور جانا پہچانا ہو اور زبان سے ادا ہونے پر اسے سمجھ سکیں بسبب اس کے کہ عقل اسے اچھا اور مستحسن سمجھتا ہو اور معاشرے میں کوئی باذوق آدمی اس کا انکار نہ کرے۔

اسی طرح السید صالح عوض نے عرف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

العرف ما استقر فی النفوس واستحسنتہ وتلقتہ الطبائع السلیمۃبالقبول، واستمر الناس علیہ ،مما لا تردہ الشریعۃ واقرتہم علیہ۔[5] عرف وہ ہے جو لوگوں میں رائج ہو اور عقل اسے اچھا سمجھے ،عقل سلیم اسے قبول کرے،لوگوں میں معمول بہ ہو اور شریعت نے اسے رد نہ کیا ہو اور اسے بر قرار رکھا ہو۔

ابن عابدین نے عرف کی تعریف اس طرح لکھی ہے،

"العرف ما استقر فی النفوس من جہۃ العقول تلقتہ الطبائع السلیمۃ بالقبول"[6]

یعنی عرف سے مراد وہ امر ہے جس کو لوگ عقل و فکر کی بنیاد پر تواتر کے ساتھ کرتے ہوں اور جس کے بار بار کئے جانے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں قرار پکڑا ہو اور ذوق سلیم رکھنے والوں کے ہاں پسندیدہ اور مقبول ہو۔

قانون کی کتاب "Jurisprudence"نے عرف کی تعریف یوں لکھی ہے

Custom, i.e the habitual conduct of a majority of persons with the belief is that such conduct is legal.[7]

ترجمہ:رواج یا عرف لوگوں کی اکثریت کا وہ طرز عمل ہے جسے وہ اعتقاداًجائز یعنی قانونی سمجھتے ہوں۔

ان تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہٰذا عرف وہ قولی یا عملی تصرف ہے جو اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہو۔ نیز مذکورہ شرط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ جس حکم کو عرف وعادت کی بناء پر ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں نص وارد نہ ہوئی ہو اور اگر نص وارد ہوئی ہو تو اس نص پر عمل کرنا واجب ہے عادت کی وجہ سے نص و عمل بالنص کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

لہٰذا معاشرے کے تمام مروّجہ رسوم کو ہم عرف نہیں کہہ سکتے کیونکہ بعض رسوم ایسے بھی ہیں جو معاشرے میں ر ائج تو ہیں لیکن وہ شریعت کے احکام کے خلاف ہیں جیسے میت کا سوم، دسواں، چہلم وغیرہ منانا یا شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول باجے بجانا وغیرہ کیونکہ یہ چیزیں نہ تو شارعؑ سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین یعنی قرونِ

ثلثۃ سے ثابت نہیں اور نہ ہی ان پر اجماع ہوا ہے۔ بلکہ ہم ان رسوم کو عرف کہیں گے جو کم از کم اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں اور جن پر عمل پیرا ہونے سے کسی شرعی حکم کا ابطال نہ ہوتا ہو کیونکہ ایسے تمام عملی یا قولی تصرفات جس سے کوئی شرعی حکم متاثر ہوتا ہو اس کو عمل میں لانا جائز اور درست نہیں۔
عرف جہاں جہاں اپنی تاثیر دکھاتا ہے ان کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ جیسے عرض کیا گیا کہ نص کے مقابلے میں عرف کو ترک کرنا واجب ہے کیونکہ نص اصل ہے، اور اگر نص کے مقابلے میں عرف کا ترجیح دی گئی تو فرع کو اصل پر ترجیح ہو جائے گی جو کہ باطل ہے، ساتھ ساتھ ہم عرف کو چھوڑ بھی نہیں سکتے کیونکہ بہت سے مسائل اس پر بناء ہیں اور اس کے ترک کا مطلب لوگوں کو تکلیف میں ڈالنا ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا کہ عرف کو ہم کب، کہاں اور کیسے ترجیح دیں گے یہ ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے اصول کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی نے ایک، فید بحث لکھی ہے جن میں انہوں نے چھ نکات بیان کئے ہیں جہاں عرف کو عمل دخل حاصل ہے اور عرف کی تبدیلی سے ان مسائل میں تغییر پیدا ہو گیا ان نکات اور ان کی مثالیں مختصراً بیان کی جاتی ہیں،
(ا) جب نص سے ثابت حکم کی بعض جزئیات اس وقت کے لوگوں کے عرف پر مبنی ہوں تو عرف کی تبدیلی سے اس حکم کے یہی جزئیات تبدیل ہونگی کیونکہ وہ علت جو سبب حکم تھا ختم ہو گیا۔[8]
مثال: سنن ابی داؤد میں سمرہ بن جندب(180) کی حدیث نقل کی ہے، "**عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا، فَإِنْ أَجَابَهُ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِلَّا فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلِ**"[9]
ترجمہ: حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ریوڑ پر سے گزرے تو اگر مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر بھیڑ یا بکری کا دودھ دوہ کر پی لے۔ اگر وہاں کوئی نہ ہو تو تین دفعہ آواز دے جواب آنے پر اس سے اجازت لے ورنہ دودھ دوہ کر پی لے لیکن ساتھ نہ لے جائے۔
حضور ﷺ نے یہ اجازت اس لئے دی تھی کہ اس وقت لوگوں میں یہ عرف چلا آرہا تھا کہ وہ اپنے بعض جانوروں کو اسی مقصد کے لئے صحراء میں چھوڑ دیتے تھے کہ اگر کوئی مسافر ادھر سے گزرے اور بھوک پیاس نے اسے تنگ کر رکھا ہو تو وہ ان جانوروں کا دودھ دوہ کر پی لے۔ اب چونکہ عرف بدل چکا ہے اور کوئی ایسا نہیں جو اپنے جانور اس مقصد کے لئے صحراء میں چھوڑے لہذا اب ایسے جانوروں کا دودھ پینے کے لئے مالک سے اجازت لینا شرط ہے۔ اسی

طرح پہلے زمانے میں لوگ اپنے باغات کے گرد باڑ نہیں لگاتے تھے اور درختوں سے گرے ہوئے پھل کو اگر کوئی اُٹھا کر کھاتا تو برا نہیں مانتے تھے اس لئے گرے پڑے پھل اٹھا کر کھانے کی اجازت تھی لیکن آج کل لوگوں نے باغات کے گرد باڑ لگائے ہیں اور اپنے درختوں کے پھل کسی کو کھانے نہیں دیتے لہٰذا اب ایسے پھل کھانے کی اجازت ہیں کیونکہ اس سے بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲) جب حکم کسی علت کے ساتھ متعلق ہو اور اس علت کے بعض جزو عرف و تعامل کے ساتھ ختم ہوتے ہیں تب ان جزئیات میں عرف کی تبدیلی کے ساتھ حکم تبدیل ہو گا۔[10]

مثال: اُجرت پر حمام میں داخل ہونا قیاس کی رو سے جائز نہیں کیونکہ اس میں وقت اور پانی کی مقدار متعین نہیں بلکہ مجہول ہے اسی طرح سقا سے ایک روپے کے بدلے سیر ہو کر پانی پینا بھی ہے کہ اس میں بھی پانی کی مقدار معلوم نہیں اور یہ حدیث میں ممنوع ہے لیکن تعامل کی وجہ سے اسے جائز رکھا گیا ہے کیونکہ یہاں عدم جواز کی علت جہالت ہے جو تنازعہ کو جنم دیتی ہے اور یہاں تعامل کی وجہ سے تنازعہ باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح حضور نبی کریمؐ نے بیع میں شرط سے منع فرمایا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس سے وہ شروط مستثنیٰ قرار دیئے ہیں جو تاجروں کے مابین معروف ہوں۔ اسی وجہ سے جوتے اس شرط پر خریدنا کہ اس کے تلوے کے نیچے نعل بائع لگائے گا، یا جراب کو اس شرط پر خریدنا کہ اس پر بائع چمڑا لگا کر دے گا جائز ہے۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عقد کسی شرط کا تقاضا نہ کرے اور اس میں عرف ظاہر ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ عرف سے ثابت شدہ نص سے ثابت شدہ حکم کی طرح ہے اور یہاں نص سے نکلنا یعنی اس کے خلاف کرنا لوگوں کے لئے حرج اور مشقت ہے۔[11]

جب نص کسی مسئلے کے خاص جزئیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہو فقہاء بدلیل نص یا قیاس سے اس کے نظائر میں وہ حکم ثابت کرتے ہیں تب اگر عرف ان نظائر میں قیاس کے خلاف رائج یا جاری ہو جائے تو ان نظائر میں فقہاء عرف کو ترجیح دیتے ہیں، البتہ ان جزئیات میں عرف کو رائج نہیں مانتے جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہو۔[12]

مثال: قفیز الطحان سے منع ہونے کے بارے میں سنن دار قطنی میں ابو سعید خدریؓ سے حدیث نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں۔ **"عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال نہیٰ عن عسیب الفحل وزاد عبیداللہ و عن قفیز الطحان"**[13] ترجمہ: جانوروں کے جتوانے پر اُجرت لینے سے منع کیا گیا ہے اور عبید اللہ نے اس میں یہ اضافہ کیا اور قفیز الطحان سے بھی"

حنفیہ اور شوافع نے اس میں منع ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس میں عامل اپنے لئے کئے گئے کام کا معاوضہ لیتا

ہے اور اسی کو اصل قرار دیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ اجارہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ اجیر اپنے عمل سے نفع حاصل نہ کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ ناجائز ہے کیونکہ وہ یہاں اپنے لئے کام کرتا ہے لہذا وہ کسی اجر کا مستحق نہیں اور اسی پر یہ مسائل مبنی ہیں کہ اگر کوئی شخص چوتھائی حصے پر گندم پیسے یا سرسوں سے اس شرط پر تیل نکالے کہ اس میں سے وہ ایک خاص مقدار میں تیل لے گا تو یہ جائز نہیں۔

لیکن اگر نص میں اس کے علاوہ کوئی دوسری علت ہو جو پہلے سے زیادہ عام ہو تو احتیاطاً اس عام علت کو لیا جائے گا کیونکہ حرام اور مباح میں تعارض آنے کی صورت میں حرام کے چھوڑنے کو ترجیح دی جائے گی۔[14]

(۴) بعض اوقات ایسا عقد ہوتا ہے جسکی مشروعیت اور غیر مشروعیت نص میں وارد نہیں ہوئی ہوتی بلکہ بعض محظورات کی وجہ سے ان میں شبہ ہوتا ہے لیکن اس پر لوگوں کا تعامل ہوتا ہے تو فقہاء کرام تعامل کی وجہ اس کے جواز کو ترجیح دیتے ہیں۔[15]

مثال:۔ اس کی مثال بیع استصناع ہے کہ نص میں اس کا جواز یا حرمت وارد نہیں ہوئی ہے۔ حضورؐ سے منبر کا استصناع وارد ہے اس میں عقد کی تصریح نہیں بلکہ وہ وعدہ کا احتمال ہے نہ کہ عقد کا۔ اور عقد استصناع میں اجارہ کا شبہ ہے کہ یہ کسی عمل کے کرنے کا عقد ہے اور ساتھ ساتھ اس میں بیع کا شبہ ہے کیونکہ یہ بنائی جانے والی چیز کا عقد ہے لہذا اس میں پہلا شبہ جواز کا تقاضا کرتا ہے اور شبہ ثانی عدم جواز کا۔ کیونکہ یہ معدوم چیز کا بیع ہے اور دوسرے شبہ کی ترجیح کا سبب جو استصناع کو جائز کرتی ہے یہ ہے کہ صانع (چیز بنانے والا) اپنی طرف سے وہ مطلوب لاتا ہے جو تیار نہیں ہوتا، اسی وجہ سے حنفیہ کے سوا باقی سب نے اس سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ حنفیہ میں عبد المعالی محمود بن احمد (م ۶۱۶ھ) نے تعامل کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے کہ یہ ایک مستقل عقد ہے۔ پھر علامہ کاسانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہمارے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام زمانوں میں بغیر کسی نکیر کے اس پر لوگوں کا تعامل رہا ہے۔[16]

(۵) بعض اوقات شریعت ظاہری حالت پر ایک حکم مبنی کرتی ہے اور زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ظاہری حالت بدلتی ہے۔[17] مثال کے طور پر مدخول بہا عورت نے اس مہر کے موصول ہونے سے انکار کر دیا جس کی فوری ادائیگی بوقت نکاح شرط قرار دی گئی تھی جبکہ مرد اس مہر کے ادا کر دینے کا دعویٰ کرے تو باوجود اس کے کہ عورت قبض کرنے سے منکر ہے اور قاعدے کے مطابق بات انکار کرنے والے کی مانی جائے گی مگر یہاں مرد یعنی شوہر کی بات مانی جائے گی کیونکہ عرف یہ ہے کہ مہر معجل لینے سے پہلے عورت سپردگی نہیں دیتی۔[18]

یہاں ظاہر شوہر کی سچائی پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اگر عرف اس کے خلاف ہو کہ عورت مہر قبض کرنے سے پہلے سپردگی دیتی ہے جس طرح ہمارے ہاں اکثر ہوتا ہے تو پھر عورت کی بات سچی مانی جائے گی۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے قاضی کے لئے سوائے حدود اور قصاص کے دوسرے مواقع کے لئے ظاہری عدالت پر گواہی قبول کرنے کو کافی قرار دیا ہے اور جب تک مخالف میں سے کوئی اعتراض نہ کرے ان کی تزکیہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اس کی ظاہری اور باطنی دونوں کی عدالت گواہی کے لئے ضروری ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے مابین اختلاف زمانے کی وجہ سے ہے اور آج کل بھی صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔[19]

(٦) بعض اوقات کوئی حکم عام لوگوں کے احوال پر مبنی ہوتا ہے اور احوال کی تبدیلی سے حکم بھی تبدیل ہوتا ہے۔[20] مثال: المرغینانی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ بادشاہ کے بغیر اکراہ کسی سے ثابت نہ ہوگی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سلطان کے علاوہ دوسروں سے بھی لوگ بزور کوئی کام کرواسکتے ہیں۔ امام مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف زمانے کی وجہ سے ہے دلیل و برہان کی بنیاد پر نہیں، امام صاحب کے زمانے میں سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا اکراہ پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بعد لوگ اور زمانہ تبدیل ہوگئے۔[21]

ابن عابدین لکھتے ہیں کہ امام صاحب کا زمانہ خیر کا زمانہ تھا جس میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ سلطان کے علاوہ کوئی اور بھی کسی سے زبردستی کوئی کام کرواسکتا ہے پھر جب عرف تبدیل ہوگیا اور فساد پھیل گیا تو بادشاہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی اکراہ ثابت ہوگیا تو امام محمدؒ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا اور متأخرین نے اسی فتویٰ کو برقرار رکھا اور آج تک یہی فتویٰ مختار ہے۔[22]

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے مسائل کی بناء عرف پر ہے اس لئے کسی بھی مسئلے میں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مفتی صاحبان کے لئے ضروری ہے کہ جو شخص کوئی مسئلہ لائے تو پہلے اس سے اس کے علاقے کے عرف و رواج کے متعلق ضرور پوچھے اور پھر اس کے مطابق اپنا فتویٰ دے لیکن ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رہے کہ شریعت نے ہر جگہ عرف کی اجازت نہیں دی کیونکہ جس طرح عرف صحیح یا شرعی ہوتے ہیں اسی طرح ہر علاقے میں کچھ عرف فاسدہ بھی ہوتے ہیں جن کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں بلکہ ان کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے بارے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ ایسا کرنے سے شریعت رسم و رواج کا پابند ہو جائے گا اور اس کی اپنی روح فوت ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ مفتی تقی عثمانی کے ذکر کردہ چھ نکات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ نکات فتوی دینے وقت معاون و ممد ثابت ہوں گے۔

حواشی و حوالہ جات

[1]: ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۱:۱۴۱

[2]: فیروز آبادی، القاموس المحیط، المؤسسۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر، طبع دوم، ۱:۳۳۰

[3]: احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر بیروت، س ن، ۴:۲۸۱

[4]: ابوسنۃ، العرف والعادۃ فی رائ الفقہاء، مطبع الازہر مصر، ۱۹۴۲ء، ص۸

[5]: السید صالح عوض، أثر العرف فی تشریع الاسلامی، دار الکتاب الجامعی قاہرہ، ص ۵۲

[6]: ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رسائل ابن عابدین، باب نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف، دار احیاء الترث العربی بیروت، س ن، ۲:۱۱۴

[7]: Sir John Salmond Jurisprudence.P.L.D Publishers Lahore pg 7

[8]: عثمانی، محمد تقی، اصول الفتاء و آدابہ، مکتبۃ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۶ء، ص ۲۵۵۔

[9]: ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داوٗد، المکتبۃ العصریۃ، صیدا ، بیروت، سطن، حدیث نمبر ۲۶۱۹، ۳:۳۹

[10]: اصول الفتاء و آدابہ، ص ۲۵۸

[11]: السرخسی، شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سھل (م ۴۸۳ھ)، المبسوط، طبع السعادۃ مصر س ن، ۱۳:۱۹

[12]: اصول الفتاء و آدابہ، ص ۲۶۰

[13]: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن نسعود بن نعمان بن دینار البغدادی، سنن دار قطنی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، حدیث نمبر ۲۹۵۸، ۳:۳۶۸۔

[14]: الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد (م ۵۸۷ھ) البدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ، ۶:۱۸۷

[15]: اصول الفتاء و آدابہ، ص ۲۶۱

[16] ابوالمعالی برھان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازۃ البخاری الحنفی (م ۶۱۶ھ)، المحیط البرھانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ، ۱۴۲۴ھ، ۷:۱۳۵۔

[17]: اصول الفتاء و آدابہ، ص ۲۶۲

[18]: رسائل ابن عابدین، ۲:۱۲۶

[19]: ابن الہمام، فتح القدیر، کتاب الشہادۃ، ۶:۳۵۸

[20]: اصول الافتاء و آدابہ، ص ۲۶۴

[21]: المرغینانی، الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، ۳:۲۷۲

[22]: علامہ ابن عابدین، رد المختار، ۶:۲۱۳